مجموعہ ’گواہی‘ میں سیاسی شعور ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر تحسین بی بی *

Dr. Tehseen Bibi

Abstract:

The political history of Pakistan has resulted in exploitation, Panic, political cruelties, injustices etc due to Martial Laws during differet time.In the result of Martial Law on 5th July 1977 by Zia-Ul -Haq there was a great reaction by Urdu writers. At that time in the core of modernism the first literary collection " Gawai " published. This collection shows Martial Law , cruelties of class system,and reaction against such social and political system in its complete sense. These writers presented it in symbolic form. This collection included the fictions of fourteen writers, which described the real picture of society of that time. This article describes these fiction with their political awareness, political injustices, Martial Law and tries to clear the political history in a clear way.

پاکستان کی سیاسی تاریخ، قیام پاکستان کے بعد خوابوں کے ٹوٹنے کے دکھ سے اب تک ایک طویل دور سے ہمکنار ہوئی۔ پے در پے مارشل لاؤں کی وجہ سے سیاسی جبریت، بے انصافی، جبر و استبداد، خوف و استحصال اور بے توقیر سیاسی عمل نے آہستہ آہستہ پاکستانی معاشرے کو کھوکھلا کر دیا۔ فوجی رہنماؤں کے چار انقلابات نے سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور مستحکم پارٹی نظام کی ترقی کو بری طرح متاثر کیا۔ پروفیسر حسن عسکری رضوی اپنی کتاب ــ ’’ملٹری اینڈ پالٹکس‘‘ میں لکھتے ہیں کہ:

> ’’پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں فوج کو سیاسی معاملات میں ضرورت سے زیادہ تجربہ اور بالا دستی حاصل ہے۔۔۔ پاکستان میں سیاسی قوتیں کمزور ہیں اور فوج طاقت ور اور فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے۔‘‘(۱)

سیاسی بحران کے نتیجے میں جب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ضیاء مارشل لاء لگا تو یہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین زمانہ ہے۔ اس پر تشدد اور خوف و استحصال زدہ دور میں ادیبوں کا اس مارشل لاء کے خلاف شدید رد عمل سامنے آیا یوں جدیدیت کے بطن سے مارشل لاء کے آٹھ ماہ بعد ہی مزاحمتی ادب کا پہلا مجموعہ ’’گواہی‘‘ شائع ہوا جس کے مرتب ڈاکٹر اعجاز راہی تھے۔ سیاسی شعور کا غماز یہ

☆ صدر شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی

مجموعہ مارشل لاء، ظالمانہ طبقاتی نظام اور اس کی جبریت کے خلاف شدید احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے ''گواہی'' کے دیباچے میں اعجاز راہی لکھتے ہیں:

> ''ادیب کو سلطان یا سلطنت سے کوئی ذاتی عناد نہیں ہوتا۔ لیکن ریاست پر ظالمانہ طبقاتی نظام کی چاپ اس کے جذبات و احساسات پر قطرہ قطرہ تیزاب کی طرح گرتی رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے قلم سے نظام کی جبریت کے خلاف احتجاج جنم لینے لگتا ہے۔''(۲)

''گواہی'' مزاحمتی ادب کے حوالے سے بارش کا پہلا قطرہ تھا جس کے بعد سیاسی نوعیت کے مزاحمتی ادب کا ایک طوفان برپا ہوا جس میں اپنے ہی ملک میں اپنے ہی فوجی حکمرانوں سے اپنا حق چھیننے کی مزاحمت کرتے ہوئے مارشل لاء کی مخالفت کی گئی۔

مجموعہ ''گواہی'' میں مشمولہ افسانوں میں مارشل لاء کی جبریت، سیاسی گھٹن اور معاشرتی بے حسی کے خلاف علامتی سطح پر احتجاج کیا گیا ہے۔ سیاسی شعور کی معنویت سے لبریز ان افسانوں میں مارشل لاء کی جبریت کے خلاف نفرت کا سمندر موجزن ہے۔ اس مجموعے میں چودہ افسانہ نگاروں کے افسانے شامل ہیں جن میں 'سن تو سہی' احمد جاوید، 'وسکی اور پرندے کا گوشت' احمد داؤد، 'ناسفر' اسلم یوسف، 'سہیم ظلمات' اعجاز راہی، 'سیاہ رات' انور سجاد، 'گنا سے ضمیر تک' جوہر میر، 'ایک آنکھ کا چاند' رحمان شاہ عزیز، 'پت جھڑ میں مارے گئے لوگوں کے نام' رشید امجد، 'رب نہ کرے' فریدہ حفیظ، 'رکی ہوئی آوازیں' محمد منشایاد، 'تربیت کا پہلا دن' مرزا حامد بیگ، 'کندھے پر کبوتر' مظہر الاسلام، ' ایک بانسری ہزار نیرو' منصور قیصر، 'گودھر اکیمپ' نعیم آروی وغیرہ اعلیٰ پائے کے افسانے ہیں جو فوجی آمر ضیاء الحق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیش کیے گئے ہیں۔ پاکستان کے جدید افسانہ نگاروں نے مارشل لاء اور جبریت کے خلاف احتجاج کر کے پاکستانی ادب کو ایک نئے شعور سے متعارف کروایا ہے۔ مرزا حامد بیگ ''گواہی'' کے افسانوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ان افسانوں میں مارشل لاء کی جبریت کے خلاف نفرت کا سمندر موجزن ہے۔ ہر لفظ کے ور تارے میں شدید تیزابیت گھلی ہوئی ہے۔ یہ نفرت اور جھنجھلاہٹ انسانی ہاتھوں کی پھولی ہوئی نسوں اور پھٹی آنکھوں کے ساتھ تخلیق کار کے اظہار میں اپنی واضح پہچان کرواتی ہے۔''(۳)

مارشل لاء کے فوجی آمریت نے سنجیدہ اور جمہوریت پسند اہل قلم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس دور میں اظہار پر کڑی پابندیوں کے باوجود افسانہ نگاروں نے تخلیقی عمل کو جاری رکھتے ہوئے علامتی و رمزیہ انداز میں مارشل لاء اور جبریت کے خلاف احتجاج کیا۔ یوں ان افسانہ نگاروں نے علامت کو سیاسی جبر، سیاسی بداعمالیوں، ناانصافیوں استحصال کے خلاف ایک حربے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ احمد جاوید کا افسانہ ''سن تو سہی'' مارشل لاء اور سیاسی دباؤ کے خلاف بھرپور رد عمل کے رویہ کو ظاہر کرتا ہے۔ افسانہ نگار کا تعلق ایک ایسے عہد سے ہے جہاں نہ صرف عوام کی آواز کو دبایا جاتا ہے بلکہ ان کی سوچ کو بھی کچل کر ان کو بے حس و حرکت بنا دیا گیا ہے۔ مردوں کی اس بستی میں احمد جاوید کی آواز ''سن تو سہی'' ایک انقلابی نظام ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن اس کی کوئی بھی نہیں سنتا کیونکہ :

''کوئی کیا سُنے۔ روشن دان کھلے ہیں جن سے جھانکا جا سکتا ہے نکالا نہیں جا سکتا، گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں تو بند ہیں۔''(۴)

اس افسانے میں آمرانہ نظام اور سیاسی جبریت کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اور علامتی انداز میں آمرانہ نظام حکومت پر بھی احتجاج کیا گیا ہے۔

احمد داؤد نے بھی اپنے افسانوں میں اپنے عہد کا سیاسی سماجی ماحول، سیاسی گھٹن، مارشل لاء کا جبر اور سیاسی شعور کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ ان کے یہاں مارشل لاء کی جبریت کے خلاف مزاحمت افسانہ ''وسکی اور پرندے کا گوشت'' کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اس افسانے میں سیاسی شعور اس وقت زیادہ واضح ہوتا ہے۔ جب وہ مکالماتی انداز میں قومی حیلہ سازوں کے خلاف احتجاج نفرت اور غم وغصے کے احساس کو بیان کرتا ہے۔ اس کہانی میں احمد داؤد ان پرندوں کو فوکس میں لاتا ہے جنہیں دیکھ کر آزادی کی تمنا انگڑائی لیتی ہے اور یہ اس شخص کی کہانی ہے جس نے پرندوں کی سی آزادی حاصل کرنے کی خاطر بلڈنگ کی سولہویں منزل سے چھلانگ لگا دی تھی۔ یہاں پر احمد داؤد فوج پر براہِ راست حملہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔'' وسکی پرندوں کا گوشت، نوخیز لڑکیاں ہمارے مجاہدوں کی مرغوب غذا ہے۔''(۵)

احمد داؤد آزادی کا علمبردار ہے اسی لیے وہ تشدد، جبر اور دباؤ کے ہر حربے سے نفرت اور فوجی آمریت سے کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بقول ڈاکٹر قاضی عابد:

"احمد داؤد کے افسانوں میں بوٹوں کی دھمک اور وردی کا خاکی رنگ صاف پہچانا جاتا ہے۔"(۶)

اسلم یوسف افسانوی مجموعہ "گواہی" میں شامل اپنے افسانہ "ناسفر" میں علامتی انداز سے مارشل لاء نظام میں سر ابھارنے والے مسائل کا تذکرہ ایک سفر کی روداد کی صورت میں کرتے ہیں:

"راستہ نہیں ہے تو آگے کیسے جائیں گے... راستہ تو اچھا بھلا تھا لیکن ہم غلط سمت میں جا رہے تھے۔"(۷)

۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے خلاف احتجاج میں شدت آئی تو اعجاز راہی بھی اس احتجاجی تحریک کے اہم پروردہ ہیں۔ افسانوی مجموعہ 'گواہی' میں اعجاز راہی کا سیاسی شعور سے لبریز مشمولہ افسانہ "سہیم ظلمات" قابلِ توجہ ہے جس میں انھوں نے اپنے عہد کے حکمرانوں کے اصلی چہرے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح مفاد پرست حکمرانوں نے اپنی انا اور تاریخی شجاعت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے حصول اقتدار کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیا۔ یہ آمرانہ قوتوں اور جبریت کے خلاف لکھے گئے اہم افسانوں میں شمار ہوتا ہے جس میں اکتسویں منزل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو مغرب سے چلنے والی ہواؤں کی زد پر ایسے ہی ہے جس طرح آندھیوں میں کمزور تنکوں سے بنا آشیانہ ہو۔ افسانہ "سہیم ظلمات" میں ملکی معاشرے کی بے چہرگی کو ہولناکی کی حد تک نمایاں کیا گیا ہے۔

"افسوس اب ہمیں تجربوں کے خوفناک آسیب بھی ناکام عمل دہرانے سے نہیں روک سکتے کہ ہم جو اپنی ہی سرزمین کو بار بار فتح کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ قطب شمالی سفید بھیڑیوں کی طرح آنکھ جھپکنے کے کسی موقع کو خالی نہیں جانے دینا چاہتے کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔"(۸)

اعجاز راہی نے اس افسانے میں سیاسی صورتحال کو علامتی انداز میں پیش کر کے اپنی فنی پختگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اعجاز راہی نے بیک وقت افسانوں اور شاعری میں اس دور کی عکاسی کی۔

کس ہاتھوں میں ہے اب عزم وفا کا پرچم
کون سوکھے ہوئے لمحوں سے رہائی دے گا

سیاسی جبر و استحصال اور ضیاء الحق کے مارشل لاء کے رد عمل پر انور سجاد کا افسانہ "سیاہ رات" اہم ہے جو مجموعہ "گواہی" میں شامل ہے۔ انور سجاد نے اس افسانے میں سیاسی جبر اور بے سمتی کو تجریدی و علامتی پیرائے میں نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ "سیاہ چادر کے پلو کی اوٹ کے

مناظر زمانے، موسم، آب وہوا اور حدودِ اربعہ کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن پیش منظر وہی رہتا ہے۔"(۹)

اس افسانے میں انور سجاد نے ان دکھی اور ٹوٹے پھوٹے انسانوں کا نوحہ بیان کیا ہے جن کو ماحول کی بیگانگی، بے مروتی اور شہر کی سنگین لاتعلقی نے اندر سے توڑ پھوڑ اور کچل کر رکھ دیا ہے۔

> "سیاہ رات جس کے افق پر پھیلی سرخ، نارنجی روشنی میں جلتے بجھتے گھر، جلتی لاشوں کی بو میں ملی بارود کی بو، بچوں عورتوں کی دلدوز چیخیں، تڑا تڑ چلتی گولیوں کی آواز دھماکے، مرتے جوان، بوڑھوں، بچوں، عورتوں کے آخری سانس۔"(۱۰)

انور سجاد نے سیاسی جبر اور بے سمتی کو تجریدی اور علامتی انداز دیا ہے۔ اس حوالے سے باقر مہدی لکھتے ہیں:

> "انہوں نے استعارہ کو استعمال کیا۔ اظہار کو اہمیت دی مگر انہیں ہر لمحہ استحصالی ماحول کا خیال رہا ہے۔ شاید وہ اردو کے پہلے ریڈیکل افسانہ نگار ہیں جس نے سیاسی جبریت کو نہایت فنکارانہ طریقے سے پیش کیا ہے۔"(۱۱)

سیاسی شعور سے لبریز جوہر میر کا افسانہ "گناہ سے ضمیر تک" اور رحمان شاہ عزیز کا افسانہ "ایک آنکھ کا چاند" میں بھی مارشل لاء (ضیاء آمریت) کے خلاف شدید تاثر کو علامتی و تجریدی حوالے سے ابھارتا ہے۔

پاکستان کی سیاسی جبری صورتحال کے حوالے سے جتنا ڈاکٹر رشید امجد نے لکھا ہے شاید ہی کسی اور ادیب نے لکھا ہو۔ کیونکہ انہیں شروع ہی سے ایوب خان کے مارشل لاء سے واسطہ پڑا اس کے بعد جمہوری آزادیوں کی تحریک، یحییٰ خان کا مارشل لاء، قومی اتحاد کی تحریکیں اور ضیاء الحق کا مارشل لاء پے در پے ایسے وسیاسی اقعات رونما ہوئے جنھوں نے ہر سطح پر بے چینی اور اضطراب کے رویے پیدا کیے۔ رشید امجد کے لیے یہ سب کچھ ایک سانحہ تھا جس کی عکاسی انہوں نے ایک احساس فنکار کی حیثیت سے بڑی خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں کی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد کا اہم افسانہ "پت جھڑ میں مارے گئے لوگوں کے نام" ہے جو مجموعہ "گواہی" میں آٹھویں نمبر پر شامل ہے۔

افسانہ "پت جھڑ میں مارے گئے لوگوں کے نام" میں داخلی آشوب کو فرد کی ذات سے پورے معاشرے کی کربناک فضا پر پھیلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ کہانی 'میں' سے شروع ہوتی ہے

جو قبرستان کی دیوار پر بیٹھا ہے اور قبرستان کی دوسری دیوار پر 'وہ' بیٹھا ہے۔ دونوں اپنے ہونے کی تصدیق کے لیے آواز نکال رہے ہیں:

"درخت، قبریں، رات سب گم ہو گئے جس دیوار پر میں بیٹھا ہوا تھا وہ بھی کھو گئی ہے۔ مجھے اپنا آپ بھی نظر نہیں آرہا صرف میں سوچ سکتا ہوں میں تو چیخنا چاہتا ہوں مگر میری آواز اندھیرا ہے۔"(۱۲)

ضیا آمریت کے خلاف اس لکھے گئے افسانے میں بھی فرد جب سیاست اور عہد کی چیرہ دستیوں کا سامنا کرتا ہے تو موت اور قبر کا وجود سیاسی حوالوں کی شناخت بن جاتا ہے۔

"یہ سماج شہر خموشاں ہے بے حسی، خوفزدگی، عدم تحفظ کا احساس چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔ میں سامنے والی قبر کا کتبہ اٹھا کر آواز دیتا ہوں کوئی ہے۔"(۱۳)

رشید امجد کے ہاں سیاسی شعور کا موضوع ان کے تمام فنی سفر میں ایک برقی رو کی مانند ہے اور ان کا یہ سیاسی شعور درسی نہیں بلکہ تجرباتی اور تجزیاتی ہے۔ سید محمد ابوالخیر کشفی، رشید امجد کے سیاست سے والہانہ لگاؤ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"سیاست میں عملی دلچسپی لینے، سماج کو بدلنے کی کوشش کرنے کے باوجود وہ ادب کے منصب سے بخوبی واقف ہیں۔"(۱۴)

فریدہ حفیظ کا افسانہ "رب نہ کرے" اور منشایاد کا افسانہ "رُکی ہوئی آوازیں" نہ صرف سیاسی شعور کے غماز ہیں۔ بلکہ ان افسانوں میں بھی مارشل لاء کی جبریت اور سیاسی گھٹن کی عکاسی نہایت خوبی سے کی گئی ہے۔ منشایاد نے اس افسانے میں اپنی عصری وسیاسی صداقتوں کو اتنی سچائی سے بیان کیا ہے کہ ان کی جرأت وہمت پر حیرانگی ہونے لگتی ہے۔ یہ مارشل لاء کے خلاف احتجاج اور ردعمل کے طور پر لکھا گیا علامتی افسانہ ہے جو اس عہد کی منافقت اور خود غرضی میں لپٹا ہوا ہے۔

یہاں منشایاد نے مارشل لاء کے خلاف آواز بلند کی ہے اور ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جانے کا پیغام دیا ہے کہ ظالم کے ظلم کے خلاف احتجاج کرنے اور اپنے حق کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے کامیابی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مظلوم شخص جس دن اپنے اندر کی رکی ہوئی آوازوں کو پوری شدت کے ساتھ باہر لائے گا وہ دن انقلاب لائے:

اور جمع ہونے لگیں اس کے اندر آوازیں

اور برسوں کی رکی ہوئی باتیں

اور مچلنے لگے غصے اور جوش کے جذبات
اور پھٹنے لگا اس کا سینہ
رکی ہوئی باتوں اور آوازوں کے شور سے
اور سنا دیا ہم نے تمہیں ایک دلچسپ قصہ۔ اس شخص کا جو
ایک روز بادل کی طرح گرجے گا اور لرز جائیں گے
وہ سب اس کی آواز سن کر
جس میں برسوں کی رکی ہوئی چنگھاڑ ہو گی(۱۵)

اس مجموعے میں مرزا حامد بیگ کا افسانہ ''تربیت کا پہلا دن'' شامل ہے۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے رد عمل پر لکھے گئے اس افسانہ میں کاغذی تخریبی کاروائیوں، تہمد، تتر بتر، عورتوں اور اکیس بائیس کے اعداد کو نئے تلازمات دے کر افسانے میں ایک تجسس کی فضا پیدا کی گئی ہے۔

''میں اپنے ہی ملک میں غیر دشمن اپنے ہی ساتھیوں سے بھاگتا، اندھی گلی کے روشن سر پر، کاغذی تخریبی کارروائیوں میں کامیاب، بے یارو مددگار اپنے چھپنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرتا ہوں۔''(۱۶)

اس مزاحمتی افسانے میں مرزا حامد بیگ کا سیاسی شعور علامتی اور استعاراتی انداز کے ساتھ ساتھ تجریدی انداز سے واضح ہوتا ہے۔

مارشل لاء کے حوالے سے مظہر الاسلام کا افسانہ ''کندھے پر کبوتر'' سیاسی سطح پر لکھا گیا اہم افسانہ ہے جس میں آمریت اور سیاسی گھٹن کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ایک بچہ ہے جو سکول سے واپس گھر آتا ہے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہ جس چوکیدار کو انہوں نے گھر کی حفاظت کے لیے رکھا تھا وہ اب گھر پر قبضہ کر کے انہیں بے گھر کر چکا ہے اور اس نے اپنی جون تک بدل دی ہے۔ ''چوکیدار واقعی بھیڑیا بن چکا تھا اور کرسی پر بیٹھا تھا... چوکیدار کے اندر پہلے سے ہی بھیڑیا موجود تھا۔'' (۱۷)

مظہر الاسلام نے اس افسانے میں گہری علامتوں سے سیاسی و سماجی صورت حال کو واضح کیا ہےاور یہ کہانی ہماری واردات کے ساتھ ہی تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کے مصائب کی ترجمان بھی ہے۔ جہاں چوکیدار بھیڑیئے بن کر پورے معاشرے کی ہڈیاں چبارہے ہیں۔ یہاں پر ایک اہم بین

الاقوامی مسئلہ چھپا ہوا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں میں جمہوریت کش فوجی آمر بھیڑیئے کا روپ اختیار کر کے وہاں کے عوام کے لیے مصائب و مشکلات کا باعث ہیں۔

مجموعہ ''گواہی'' میں شامل منصور قیصر کے افسانے ''ایک بانسری ہزار نیرو'' میں مارشل لاء کے ساتھ ہی معاشرے کے مختلف طبقوں کے نمائندوں کی بے حسی، لوٹ مار اور حرص و ہوس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کہ جب شہر جل رہا تھا تو ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی تھی اور شہر و بستی کی کسی کو بھی پروانہ تھی۔ ''میں مجبور ہوں۔ دیکھتے نہیں ہو ہر بستی میں آگ لگی ہوئی ہے اور مجھے بھی روپوں کی دیوار تعمیر کر کے اپنا بچاؤ کرنا ہے۔'' (۱۸)

نعیم آروی کا افسانہ ''گودھرا کیمپ'' نہ صرف مارشل لاء کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر سامنے آتا ہے بلکہ اس افسانے میں انھوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے المیے پر بھی کھل کر روشنی ڈالی ہے۔

> ''نہ مجیب غدار ہے نہ بنگالی سازشی نہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے عوام نے لوٹا۔ دونوں جگہوں کے عوام غریب اور ایک ہی جیسے حالات کا شکار ہیں۔ پاکستان سیاستدانوں کے کالے کرتوت سے ٹوٹا۔ نا انصافی اور افلاس کی وجہ سے علیٰحدہ ہوا۔''(۱۹)

افسانوی مجموعہ ''گواہی'' میں مشمولہ افسانے فوجی آمریت، سیاسی نظام، سیاسی شعور حقیقت پسندی کے بہترین عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا ایک نیا موضوعاتی رخ بھی متعین کرتے ہیں۔ مجموعہ 'گواہی' حقیقی معنوں میں افسانہ نگاروں کی اسٹیبلشمنٹ اور استحصالی نظام کے خلاف ایک گواہی ثابت ہوا ہے۔ اس مجموعے کے مرتب ڈاکٹر اعجاز راہی کو اس جرأتِ اظہار کی پاداش میں سزا کاٹنا پڑی اور ساتھ ہی ملازمت سے برطرفی کی مصیبت برداشت کی۔

مارشل لاء کے اس دور میں آزادیٔ اظہار پر پابندی کے باوجود اس مجموعے کا سامنے آنا ہی تھا کہ اس کے خلاف حکومت نے کاروائی شروع کر دی اور گواہی کی تمام کاپیاں حکومتی ایجنسی نے بک سٹالوں سے خرید کر غائب کر دیں اور اس کی کوئی کاپی دسترس میں نہ رہی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضیاء دور میں مارشل لاء کا جبر ظاہری سطح پر موجود تھا۔ سرِعام کوڑوں کی سزائیں، سیاسی کارکنوں پر تشدد، ادیبوں و دانشوروں سے غیر انسانی برتاؤ نے ملک کی مجموعی فضا میں خوف و ہراس پیدا کیا تھا۔ اس کے اثرات ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔ اس مارشل لاء

کے ظاہری اور واضح جبر کے خلاف ردِ عمل بھی شدید ہوا اور اس عہد میں افسانہ نگاروں نے نہایت بیباکی سے مظلوم جمہور کے حق میں ظالم حکمرانوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا جس کا واضح ثبوت مزاحمتی ادب کا پہلا مجموعہ "گواہی" ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حسن عسکری رضوی، پروفیسر، ملٹری اینڈ پالٹکس، بحوالہ پاکستان: ایک عمومی مطالعہ، ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری، کراچی: وفاقی اردو یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۷

۲۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، دیباچہ، گواہی، کراچی: عوامی دارالاشاعت ۱۹۷۸ء، ص: ۵

۳۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظر نامہ، لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع دوم، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱۸

۴۔ احمد جاوید، سُن تو سہی، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص: ۹

۵۔ احمد داؤد، وسکی اور پرندے کا گوشت، مشمولہ: مفتوح ہوائیں، اسلام آباد: دی پرنٹ لائن، ۱۹۸۰ء، ص ۹۴

۶۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، شعبہ اردو، ملتان: زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۶

۷۔ اسلم یوسف، ناسفر، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۳۱

۸۔ اعجاز راہی، سہیم ظلمات، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۲۳

۹۔ انور سجاد، سیاہ رات، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۳۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۵

۱۱۔ باقر مہدی، جدید اردو افسانے کا ڈاہیلیما، مشمولہ: ارد وافسانہ: روایت اور مسائل، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۷

۱۲۔ رشید امجد، پت جھڑ میں مارے گئے لوگ، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۵۳

۱۳۔ رشید امجد، پت جھڑ میں مارے گئے لوگ، مشمولہ: سہ پہر کی خزاں، راولپنڈی: دستاویز پبلشرز، ۱۹۷۸ء، ص ۲۴

۱۴۔ محمد ابوالخیر کشفی، سید، رشید امجد کے لیے حرف تحسین و اعتراف، مشمولہ: روشنائی، جلد سوئم، شمارہ ۱۰، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۷

۱۵۔ منشایاد، رکی ہوئی آوازیں، مشمولہ: ماس اور مٹی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۶

۱۶۔ مرزا حامد بیگ، تربیت کا پہلا دن، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۷۱

۱۷۔ مظہر الاسلام، کندھے پر کبوتر، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۸۰

۱۸۔ منصور قیصر، ایک بانسری ہزار نیرو، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۸۷

۱۹۔ نعیم آروی، گودھرا کیمپ، مشمولہ: گواہی، ایضاً، ص ۹۳